

کیا صحابہ کرامؓ معیارِ حق ہیں؟

— ملک غلام علی صاحب —

جماعتِ اسلامی کے خلاف جو بے سرو پا اور خلافِ واقعہ الزامات عائد کیے جاتے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ”یہ جماعت صحابہ کرام کو معیارِ حق نہیں مانتی اور ان پر تنقید کو جائز رکھتی ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کو صحابہ کرام کی عیب چینی سے منع فرمایا گیا ہے اور قرآن و حدیث صحابہؓ کے فضائل و مناقب سے برز نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، جس کی بھی تم پیروی کرو گے راہ پاؤ گے۔“

جماعتِ اسلامی سے وابستگی رکھنے والا ہر شخص اگرچہ اللہ کے فضل و کرم سے ایک سچے مسلمان کی طرح اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس انسانی گروہ کے لیے سب سے زیادہ محبت و تعظیم کے جذبات اپنے دل میں رکھتا ہے، وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی کی جماعت ہے اور وہ اپنی حد تک اس غلط الزام سے اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھتا ہے، تاہم عامۃ المسلمین کو بدگمانی سے بچانے کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اصل حقیقت کو واضح کیا جائے اور بتایا جائے کہ جماعتِ اسلامی کا موقف اس مسئلے میں کیا ہے اور آیا وہ کتاب و سنت اور ائمہ سلف کے مسلمہ مسلک کے مطابق ہے یا ان کے مخالف۔ اس وضاحت سے امید ہے کہ جماعت کے افراد کو بھی اطمینانِ قلب حاصل ہوگا اور متعزین کا بھی اگر منہ بند نہ ہوگا تو کم از کم عام مسلمانوں کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا امکان باقی نہ رہے گا۔ اسی غرض کو سامنے رکھ کر یہاں چند ضروری تصریحات پیش کی جا رہی ہیں۔

دستورِ جماعت کی اصل عبارت | جماعتِ اسلامی کے خلاف مندرجہ بالا الزام کی بنیاد جماعت کے دستور کی ایک عبارت پر رکھی جاتی ہے جس کے پورے الفاظ بھی متعزین نقل نہیں کرتے بلکہ ایک دو

کی صحابہ کرام معیارِ حق ہیں؟

فقروں کو سیاقِ عبارت سے الگ کر کے پیش کرتے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مزید بحث سے قبل دستورِ جماعتِ اسلامی کی وہ پوری عبارت یہاں نقل کر دی جائے جس کو بنیاد بنا کر یہ اعتراض بار بار اٹھایا جاتا ہے۔ دستورِ جماعت کی دفعہ ۳ کی متعلقہ شق ۱۱ درج ذیل ہے:

”رسولِ خدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے، کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ ہر ایک کو خدا کے بنائے ہوئے اسی معیارِ کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے۔“

بس یہی وہ عبارت ہے جس سے وہ سارا الزام برآمد کیا گیا ہے حالانکہ اس میں یہ بات سرے سے مذکور ہی نہیں ہے کہ صحابہ کرام کی جماعت پر تنقید ہو سکتی ہے یا نہیں، بلکہ اس میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ اصل معیارِ حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس کے اندر سے معنی آخری اور حاشیہ آرائی کر کے یہ بات مقررین نے خود نکالی ہے کہ نبی کے سوا کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھنے سے صحابہ پر تنقید کا جواز لازم آتا ہے لہذا جماعتِ اسلامی اس کی قائل ہے۔ پھر تنقید کو تنقیص اور عیب چینی کا ہم معنی بھی خود مقررین ہی نے بنایا ہے تاکہ ہم پر یہ الزام چسپاں کیا جاسکے کہ ہم صحابہ کی عیب چینی کو جائز سمجھتے ہیں اور اس کا ارتکاب بھی کرتے ہیں۔ اس کے بعد مقررین کا مزید کرتب یہ ہے کہ وہ اس عبارت کا یہ فقرہ صاف نظر انداز کر جاتے ہیں کہ ”جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجے میں ہو اس کو اسی درجے میں رکھے۔“ چونکہ یہ فقرہ ان کے اعتراضات کی پوری بنیاد ہی کو منہدم کر دیتا ہے، اس لیے وہ سرے سے اس کا کوئی ذکر ہی نہیں کرتے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان حضرات پر الزام تراشی کا شوق کس قدر غالب ہے اور ان کے لیے دوسروں کے دین و ایمان میں کیڑے ڈالنا کس طرح ایک محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔

امیرِ جماعت کی تشریحات | اس پر مزید یہ ہے کہ ان لوگوں کی اس الزام تراشی کے جواب میں مذکور بالا عبارت کی جو تشریح بارہا کی گئی ہے، اس سے انہوں نے ہمیشہ آنکھیں بند رکھی ہیں اور اپنے اسل اعتراض ہی کو بار بار دہراتے اور پھیلاتے چلے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھیے، دستور کی اس شق اور بالخصوص اس کے الفاظ ”معیارِ حق“ اور ”تنقید“ کی تشریح جماعتِ اسلامی پاکستان کے موجودہ امیر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

نے بعض سوالات کا جواب دیتے ہوئے یوں کی ہے :

”ہمارے نزدیک معیارِ حق سے مراد وہ چیز ہے جس سے مطابقت رکھنا حق اور جس کے خلاف ہونا باطل ہو۔ اس لحاظ سے معیارِ حق صرف خدا کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ صحابہ کرام معیارِ حق نہیں ہیں بلکہ کتاب و سنت کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔ کتاب و سنت کے معیار پر جانچ کر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ گروہ برحق ہے۔ ان کے اجماع کو ہم اسی بنا پر حجت مانتے ہیں کہ ان کا کتاب و سنت کی ادنیٰ سی خلاف ورزی پر بھی متعلق ہو جانا ہمارے نزدیک ممکن نہیں ہے۔“

(ترجمان القرآن، رسائل و مسائل جلد ۵۶، ص ۵۵)

پھر ایک دوسرے مقام پر وہ لکھتے ہیں :

”تنقید کے معنی عیب چینی ایک جاہل آدمی تو سمجھ سکتا ہے مگر کسی صاحبِ علم آدمی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اس لفظ کا یہ مفہوم سمجھے گا۔ تنقید کے معنی جانچنے اور پرکھنے کے ہیں اور خود دستور کی مذکورہ بالا عبارت میں اس معنی کی تصریح بھی کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد عیب چینی مراد لینے کی گنجائش صرف ایک فتنہ پرور آدمی ہی اس لفظ سے نکال سکتا ہے۔ مزید برآں اس فقرے میں یہ تصریح بھی کر دی گئی ہے کہ رسول خدا کو معیار قرار دینے کے بعد جس کا جو مرتبہ بھی اس لحاظ سے قرار پائے گا۔ اسے اسی درجہ میں رکھا جائے گا۔ اس سے یہ مطلب آخر کیسے نکل آیا کہ صحابہ کرام کے جو محامد و فضائل کتاب اللہ اور احادیث نبویہ میں مذکور ہیں، وہ واجب التسلیم نہیں ہیں۔“

در سالہ کیا جماعت اسلامی حق پر ہے؟

جماعت اسلامی کے دستور کی مندرجہ بالا عبارت اور اس کی پیش کردہ وضاحت سلیس اور عام فہم ہے اور ہر ٹرچھا کھا آدمی اس کو ٹرچھ کر باسانی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ آیا اس سے صحابہ کرام کی تنقیص توہین کا پہلو نکلتا ہے یا اس سے ان کی تعظیم و توقیر ثابت ہوتی ہے۔ اس عبارت میں اگر لفظ تنقید استعمال ہوا ہے تو اسے خواہ مخواہ بتوا بنالینے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ اس لفظ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم فقط یہ ہے کہ کسی شے کی حقیقت و ماہیت کو جانچا جائے۔ اگر وہ شے فی الاصل زیرِ خالص اور کامل العیار ہے تو معیار

کی صحابہ کرام معیارِ حق ہیں،

پر کئے جانے کے بعد اس کا جوہر حسن و کمال اور زیادہ نکھرتے گا۔

قرآن کا فیصلہ کتاب و سنت کے بموجب صحابہ کرام کے من حیث الجماعت واجب الاحترام ہونے

اور اجماع صحابہ کے تحت شرعی تسلیم کیے جانے کے بعد اس ضمن میں ایک مسئلہ بحث طلب رہ جاتا ہے۔

وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک ایک صحابی کے منفرد قول و فعل یا چند صحابہ کے مختلف اقوال کا شمار اولہ شرعیہ

میں ہو سکتا ہے یا نہیں اور کتاب و سنت کی کسوٹی پر جانچے بغیر بلا تنقید اور بے چون و چرا، محض قول و

فعل صحابی ہونے کی بنا پر انہیں واجب التقليد سمجھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس معاملے میں جب ہم سب سے

پہلے کتاب اللہ کی جانب رجوع کرتے ہیں تو یہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کسی مقام پر بھی صحابہ کرام کے

انفرادی افعال و اعمال کو ہمارے لیے مستقل اسوہ اور مرجع قرار نہیں دیا گیا بلکہ تمام مسلمانوں کے ساتھ

خود صحابہ کرام کو بھی یہ تعلیم فرمائی گئی ہے کہ جب کسی معاملے میں تمہارے درمیان تنازع اور اختلاف

پیدا ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی جانب لوٹاؤ۔ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ۔ اس ارشادِ ربانی کے اولین مخاطب خود صحابہ کرام ہی ہیں۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ

ہی یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ ایک ایک صحابی بجائے خود معیارِ حق نہیں ہے بلکہ اختلاف کی صورت میں

صحابہ کے لیے بھی مرجع کتاب و سنت ہی ہے

حدیث کا فیصلہ قرآن مجید کے بعد جب ہم حدیثِ رسولؐ سے رجوع کرتے ہیں تو وہاں بھی یہیں

صحابہ کرام کے انفرادی اقوال و افعال کے واجب الاتباع ہونے پر کوئی دلیل نہیں ملتی۔ اس میں شک نہیں

کہ بعض احادیث میں وارد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما

کی اقتدا کرو۔ لیکن اس سے مراد ان کی ذاتی حیثیت میں مطلقاً پیروی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد خلیفہ راشد

ہونے کی حیثیت سے ان کی اس سنت کی پیروی ہے جسے اجماع صحابہ کی تائید و توثیق حاصل ہوتی ہے۔

اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ دونوں بزرگ دوسرے صحابہ کو اپنی آراء پر بحث و کلام کی دعوت، اور اپنے خیالات

سے اختلاف کی اجازت نہ دیتے، اور خود صحابہ بھی ان سے اختلاف کی جرأت نہ کرتے۔

حدیثِ اصحابی کا نجوم کی تحقیق انتہائی شیعہ متعلقانہ احادیث کے علاوہ صرف ایک روایت

حدیثِ اصحابی کا نجوم کی تحقیق انتہائی شیعہ متعلقانہ احادیث کے علاوہ صرف ایک روایت

ایسی پائی جاتی ہے جس سے بظاہر صحابہ کرام کے منفرد اقوال کی حجیت کے قی ہیں۔ استدلال ہو سکتا ہے۔ یہ روایت بالعموم اس طرح بیان کی جاتی ہے: اصحابی کا لفظ بالعموم ہوتا ہے۔ بیت اہل بیت میرے اصحاب ستاروں کے مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے راستہ پاؤ گے، اگرچہ اصول فقہ کی کتابوں میں اس روایت کا جابجا ذکر کیا جاتا ہے لیکن میرے علم میں کوئی ایک اصولی یا فقیہ بھی ایسا نہیں ہے جس نے اس روایت سے صحابی کے قول و عمل کو مطلقاً حجت ثابت کرنے کی کوشش کی ہو۔ علمائے اصول اس روایت کی کچھ دوسری تاویلات کرتے ہیں جن کے ذکر کا یہاں موقع اور محل نہیں ہے۔

اس روایت اور اس سے ملتے جلتے الفاظ پر مشتمل بعض دیگر روایات جو صحابہ اور اہل بیت کے حق میں مروی ہیں، ان کے متعلق جو اولین اور ضروری بات قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ محدثین اور فن رجال کے ماہرین کے نزدیک ان سب کی سند نہایت کمزور ہے۔ اس لیے عقائد و احکام کی بحث میں ان سے استدلال جائز نہیں ہے، بلکہ فضائل و مناقب کے سلسلے میں بھی ان کے ضعف کی صراحت کیے بغیر ان کا بیان کرنا صحیح نہیں ہے۔ صحاح ستہ یا حدیث کی کسی دوسری مستند کتاب میں ان کی تخریج نہیں کی گئی۔ حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں روایت مذکورہ بالا کی سند کو نقل کر کے لکھا ہے: ہذا اسناد لا تقوم بہ حجة۔ یہ ایسی سند ہے جس کے بل پر کوئی حجت قائم نہیں ہوتی، ابن خزم نے الاحکام میں اس کے راویوں پر جرح کرنے کے بعد لکھا ہے: ہذا روایۃ ساقطۃ۔ خبر مکذوب موضوع باطل لم یصح قط۔ یہ پایہ اعتبار سے گری ہوئی روایت ہے۔ ایک جھوٹی اور موضوع اور باطل خبر ہے جو صحیح ثابت نہیں ہوئی۔

حافظ ابن حجر نے تخریج کثافت میں اس روایت اور دیگر متقارب الالفاظ روایات کی ساری سندوں کا ذکر کر کے انہیں ضعیف اور دای قرار دیا ہے۔ امام شوکانی نے ارشاد الفحول ص ۸۳ میں اجماع پر بحث کرتے ہوئے یہ حدیث نقل کی ہے اور پھر لکھا ہے: ینہ مقال معروف اور تصریح کی ہے کہ اس کا ایک راوی نہایت ضعیف اور دوسرا ابن معین کے نزدیک کذاب ہے اور امام بخاری کے نزدیک متروک ہے۔ ایک دوسرے طریقے کے راوی کو ابو حاتم نے ضعیف جداً اور بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے۔

کی صحابہ حیار تھی ہیں؟

امام بخاری کے ہاں حدیث کے یہ الفاظ انتہائی سخت ہیں۔ ابن معین نے اس کے متعلق کہا ہے لایساوی فلسفہ دیکھو ایک کوڑی کا بھی نہیں۔ ابن عدی نے اس راوی کی روایات کو منسوخ قرار دیا ہے حافظ ابن قیم نے اعلام المؤمنین، حیدر ثانی، القول فی التقلید میں اس روایت غیر مستحکم ثابت کیا ہے۔

قول صحابی کے متعلق ائمہ سلف کا مسلک [بہر کیف قول صحابی کے حجت ہونے پر کتاب و سنت میں کوئی نص موجود نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ امت کا اس مسئلے میں تقریباً اتفاق ہے کہ اگر کسی معاملے میں صرف ایک یا چند صحابہ کا عمل یا قول ہی ماثور ہو تو اس کا شمار اولہ شرعیہ میں نہیں ہو سکتا، چاہے اس کے خلاف کوئی دوسرا قول صحابی موجود نہ ہو اس کتاب و سنت کی کسوٹی پر جانچنا ناگزیر ہوگا۔ اسی طرح جن مسائل میں صحابہ کرام کے مابین اختلاف رونما ہوا ہے، وہاں بھی لامحالہ چھان بین اور تحقیق و ترجیح کی ضرورت لاحق ہوگی اور جو قول کتاب و سنت کے اصل معیار کے تحت زیادہ مطابق ہوگا، اتنا ہی زیادہ وہ قابل اخذ و ترجیح ہوگا اور اس کے بالمقابل دوسرا قول قابل ترک ہوگا اسی تحقیق و تفتیش اور باطنی پُر تال کا دوسرا نام تنقید ہے۔ اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرنے کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند مستفاد ائمہ و فقہاء کے اقوال و آراء کو یہاں نقل کر دیا جائے۔

حنفیہ کا مسلک امام ابوحنیفہ کے دو اقوال اہل سنت و جماعت میں مستند و لوگ نقل ہو چکے ہیں ایک قول یہ ہے کہ ”جب مجھے کتاب و سنت میں کوئی حکم نہیں ملتا تو میں اجماع صحابہؓ کی پیروی کرتا ہوں اور اختلاف کی صورت میں جس صحابی کا قول پایا جاتا ہوں قبول کرتا ہوں اور جس کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں“ دوسرا قول یہ ہے کہ ”جب صحابہ میں اختلاف ہو تو قیاس کرتا ہوں“

مذہب حنفی کے نامور فقیہ شمس الدین امام شافعی اپنی کتاب الاصول جلد اول میں اجماع صحابہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **وانما كان الاجماع حجة باعتبار ظهور وجه الصواب فيه بالاجتماع عليه وانما يظهر لهذا في قول الجماعة لافي قول الواحد الاتي ان قول الواحد لا يكون موجبا للعدول عن امرين بمقابلته جملة ما وجدته** اور اجماع کا حجت ہونا اس وجہ سے ہے کہ ایک بات پر اتفاق ہو جانے کے باعث حق و صواب کا پہلو واضح ہو جاتا ہے۔ یہ بات قول واحد کے معاملے میں نہیں بلکہ قول جماعت ہی میں ظاہر ہوتی ہے۔

للمعمرين ان لم يكن بمقابلته جملة ما وجدته

توبہ علم نہیں ہوتا جبکہ کسی جماعت نے اسکی مخالفت نہ کی ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ قول منفرد حجت نہیں ہے، خواہ اس سے مختلف یا اس کی مخالفت میں کوئی دوسرا قول موجود ہو یا نہ ہو۔ اسی جلد کے آخری دو صفحات میں امام مذکور نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ صحابی اگر یوں کہے کہ آمرونا بكذا او نهينا عن كذا او السنة هكذا دہیں اس کا حکم دیا گیا یا اس سے منع کیا گیا ہے یا سنت یہی ہے، تب بھی صحابی کے ایسا فرمانے سے اس فعل کا امر رسول یا سنت رسول ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس میں کسی خاص امیر کے حکم یا کسی خاص شہر یا علاقے کے عمل یا طریقے کا ذکر ہو۔ پھر امام سرخسی اسی کتاب کی جلد دوم میں ایک فصل کا عنوان قائم کرتے ہیں: فصل فی تنقید الصحابی اذا قال قولاً ولا يعرف له مخالفت۔ اس باب میں بھی وہ صحابی کے ایسے قول کی تقلید عدم تقلید پر بحث فرماتے ہیں جس کے مخالف کوئی دوسرا قول صحابی معلوم و معروف نہیں ہے۔ اس عنوان کے تحت وہ لکھتے ہیں:

صحابہ سے رائے کی بنا پر بعض فتوے صادر ہوئے ہیں۔ یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور رائے کبھی غلط بھی ہوتی ہے۔ پس صحابہ کے انفرادی فتویٰ میں صواب و خطا دونوں کا احتمال ہے۔ اس طرح کے فتوے کے بالمقابل رائے کو ترک کرنا جائز نہیں، جس طرح قیاس و رائے کو تابعی کے قول کے مقابلے میں ترک کرنا جائز نہیں۔

قد ظهر من الصحابة الفتوى بالرأى
ظهوراً لا يمكن النكاره والرأى قد يخطئ فكان
فتوى الواحد منهم محتملاً متروكاً بين
الصواب والخطأ ولا يجوز تركه، الرأي
به ثلثه كما لا يتروك بقول التابعي۔

آگے چل کر امام سرخسی نے مسکب احناف کی جو تفصیل بیان کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب قول صحابی کسی ایسے معاملے سے متعلق ہو جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کا امکان ہو، وہاں صحابی کے فتوے کو اپنی رائے پر ترجیح دی جائے گی۔ مثال کے طور پر جس مسئلے میں قیاس کو دخل نہ ہو یا صحابی کا قول جس مسئلے میں خلاف قیاس ہو، یعنی عام قیاس جس بات کا مقتضی ہو، صحابی کا قول اس کے

مخالفت ہو۔ اس طرح کے مسئلے میں قول صحابی ہی کو مقدم سمجھا جائے گا اور قیاس کو ترک کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابی کے غیر قیاسی یا خلاف قیاس قول کے معاملے میں زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ یہ قول صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہوگا اور صحابی نے اپنے جی سے یہ بات نہیں کہی ہوگی۔ اس قول کا قبول کیا جانا مجرد قول صحابی ہونے کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ اس بنا پر کہ اس کے قول رسول ہونے کا قرینہ اور احتمال موجود ہے۔

اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ حنفیہ نے قول صحابی کے بارے میں مذکر بالقیاس اور غیر مذکر بالقیاس، مطابق اور مخالفت قیاس کی یہ جو تفریق قائم کی ہے، اور جس کی بنا پر ایک قسم کے قول صحابی کو اپنے اجتہاد پر ترجیح دی ہے اور دوسری قسم میں اجتہاد کو قول صحابی پر مقدم رکھا ہے۔ یہ تفریق و ترجیح بھی درحقیقت تنقید ہی کی ایک شکل ہے۔ پھر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ اوپر کی یہ ساری بحث صحابی کے اس قول و فعل سے متعلق ہے جس کے خلاف کسی دوسرے صحابی کا قول و فعل موجود نہ ہو۔ جہاں صحابہ کے قول و فعل میں اختلاف موجود ہوگا وہاں تو بہر حال ترک و اختیار کے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ یہاں بھی آخر ترجیح بلا مرجح کا اصول تو نہیں چپے گا بلکہ کتاب و سنت سے اقرب و اذوق قول ہی کو قول مختار قرار دینا پڑے گا۔ دوسرے لفظوں میں صاحب اجتہاد کو اس صورت میں بھی تعلید کے بجائے تنقید و ترجیح کے مسلک ہی پر کاربند ہونا ہوگا۔

شافعیہ کا مسلک | اس کے بعد اب مسلک شافعی کو لیجیے۔ امام غزالی، المستغنی، جزء اول ص ۱۳۵، میں باب الاصل الاثنی، من الاصول المہومہ۔ قول الصحابی کے تحت بحث کرتے ہوئے پہلے فرماتے ہیں کہ بعض کے نزدیک مذہب صحابی علی الاطلاق حجت ہے، بعض کے نزدیک غیر قیاسی مسائل میں حجت ہے اور بعض کے نزدیک صرف حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا قول حجت ہے۔ اس کے بعد کہتے ہیں:

والکل باطل عندنا۔ فان من یجوز علیہ
الغلط والسهو ولم یشیت عصمتہ فلا
یجوز بقولہ۔ فکیف یجوز بقولہم مع جائزہ
ہمارے نزدیک (مذہب صحابی کی حجت کے حق میں،
یہ سارے اقوال باطل ہیں۔ جس انسان کو غلطی اور سہو
لافتی ہو ناممکن ہو اور جس کے لیے عصمت ثابت نہ ہو

کیا صحابیؓ میاںِ حق ہیں؟

اس کے قول میں کوئی محبت نہیں۔ پس صحابہ کے قول سے کیسے سند کمزور جاسکتی ہے جبکہ ان سے خطا کا مسئلہ جائز ہے کسی عجت متواترہ کے بغیر ان کی عصمت کا دعویٰ کیسے کیا جاسکتا ہے اور اس گروہ کو کیسے معصوم منظور کیا جاسکتا ہے جس میں اختلاف واقع ہو؟ آخر وہ معصوموں کے مابین کیسے اختلاف ممکن ہے؟ یہ سب کچھ کیسے ممکن ہے جبکہ صحابہؓ نے خود صحابہ سے اختلاف کے جواز پر اتفاق کیا ہے اور حضرت ابو بکرؓ عمرؓ نے اپنے خلاف اجتہاد کرنے والوں پر تکمیل نہیں کی بلکہ مسائل اجتہاد میں ہر مجتہد پر اس کے اپنے اجتہاد کی پیروی لازم کی ہے۔ صحابہ کے معصوم ہونے پر کوئی دلیل نہ ہونا، اور ان کے درمیان اختلاف کا پایا جانا اور ان کا خود اس امر کی تصریح کرنا کہ ان سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، یہ تین باتیں ایسی ہیں جو ہمارے مسائل کے حق میں دلیل قاطع ہیں۔

المخطأ وكيف ندعى عصمتهم من غير حجة متواترة وكيف يتصور عصمة قوم يجوز عليهم الاختلاف؟ وكيف يختلف المعصومان كيف وقد اتفقت الصحابة على جواز مخالفة الصحابة فلم يكرأ بوبكر وعمر على من خالفهما بالاجتهاد - بل اوجبوا في مسائل الاجتهاد على كل مجتهد ان يتبع اجتهاد نفسه - فانتفاء الدليل على العصمة ووقوع اختلاف بينهم ونقص حججهم بجواز مخالفتهم فيه ثلاثة ادلة قاطعة -

اس کے بعد امام غزالیؒ نے امام شافعیؒ کے دو قول نقل کیے ہیں۔ پہلے ان کا قول یہ تھا کہ اگر صحابی کا قول مشہور ہو جائے اور اس کے خلاف کوئی قول منقول نہ ہو تو صحابی کی تقلید جائز ہے و واجب نہیں۔ بعد میں اس قول سے رجوع کرتے ہوئے آخری اور جدید مسلک جس کے امام شافعیؒ قائل ہوئے یہ ہے کہ عالم کسی صحابی کی تقلید نہ کرنے، جس طرح وہ کسی دوسرے عالم کی تقلید نہ کرے۔

لا يقلد العالم صحابياً كما لا يقلد عالماً آخر -

پھر امام غزالیؒ فرماتے ہیں :

وهو الصحيح المختار عندنا اذ كل ما

دل على تحريم التقليد العالم للعالم لا يفيق

یہی بات ہمارے نزدیک صحیح اور قابل اختیار و ترجیح ہے کیونکہ ایک عالم کے لیے دوسرے عالم کی تقلید

کی صحابہؓ کی تائید میں؟

فی الجملہ جن دلائل کی بنا پر حرام ہے، ان کے لحاظ سے صحابی اور غیر صحابی میں فرق نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے بعد امام غزالی ان اصحاب کے دلائل کا ذکر کرتے ہیں جو فضائل صحابہؓ پر مشتمل آیات و احادیث سے تقلید صحابہ کو جائز یا لازم سمجھتے ہیں اور اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

قلنا هذا كله ثناء يوجب حسن الاعتقاد في عملهم ودينهم عند الله تعالى ولا يوجب تقليدهم لا جوازاً ولا وجوباً

ہم کہتے ہیں کہ یہ تمام ثناء ہے جس سے صحابہ کرام کے عمل دین اور اللہ کے ہاں ان کے مرتبے کے بارے میں حسن اعتقاد لازم آتا ہے۔ لیکن اس سے ان کی تقلید کا نہ جواز لازم آتا ہے نہ وجوب۔

پھر یہ جواب ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے:

كل ذلك ثناء لا يوجب الاقتداء اصلاً
یہ سب تعریف و منقبت ہے اس سے اقتداء بالکل لازم نہیں ہوتی۔

علامہ سیف الدین آمدی کی رائے جسے انہوں نے ”الاحکام فی اصول الاحکام“ جو ثالث مذہب الصحابی کے آغاز بحث میں بیان کیا ہے یہ ہے کہ غیر صحابی کے لیے قول صحابی کے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔ اشاعرہ معتزلہ، امام شافعی اور امام ابن حنبل کے ایک قول کے مطابق اولیٰ الامر ابوالحسن جنفی کے نزدیک قول صحابی حجت نہیں ہے۔ بعض کے نزدیک مخالف قیاس قول حجت ہے اور بعض کے نزدیک قول ابی بکر و عمر حجت ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

والمختار ان یسجد بحجة مطلقاً
قول مختار یہ ہے کہ قول صحابی ہرگز حجت نہیں۔

آگے چل کر المسئلة الثانیہ کے زیر عنوان علامہ موصوف یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ مذہب صحابی حجت واجب الاتباع نہیں تو کیا غیر صحابی کے لیے اس کی تقلید جائز بھی ہے؟ پھر اس کا جواب یہ دیتے ہیں:

والمختار امتناع ذلك مطلقاً
قابل ترجیح مسک یہ ہے کہ تابعین و مجتہدین کے لیے

صحابی کی تقلید مطلقاً ممنوع ہے

امام شوکانی | امام شوکانی ارشاد الفحول، الفصل السابع فی الاستدلال، البحت الخامس، فی قول الصحابی میں اپنی تحقیق ان الفاظ میں درج کرتے ہیں:

والحق انه ليس بحجة - فان الله سبحانه
لم يبعث الى هذه الامة الانبياء محمداً صلى
الله عليه وسلم وليس لنا الارسل واحد
وكتاب واحد وجميع الامة مأمور باتباع
كتابه وسنة نبيه والافرق بين الصحابة
ومن بعدهم في ذلك فكلهم مكلفون بالتكاليف
الشرعية وباتباع الكتاب والسنة نعم قال
انما تقوم الحجة في دين الله عز وجل بغير
كتاب الله وسنة رسوله وما يرجع اليهما
فقد قال في دين الله بما لا يثبت .

حق یہ ہے کہ قبولِ صحابی، حجت نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ نے
اس امت کی طرف صرف ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کو مبعوث فرمایا ہے۔ ہمارے بس ایک ہی رسول اور
ایک ہی کتاب ہے۔ تمام امت اللہ کی کتاب اور اس
نبی کی سنت کے اتباع پر مامور ہے اور اس معاملے
میں صحابہ اور غیر صحابہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ سب کے
سب تکالیف شرعیہ اور اتباع کتاب و سنت کے
مکلف ہیں جس شخص نے یہ کہا ہے کہ اللہ کے دین میں
کتاب و سنت یا جو کچھ ان دونوں کی طرف راجع ہوتا
ہے، اس کے سوا کسی اور چیز سے بھی حجت قائم ہو
سکتی ہے، اس نے دین کے معاملے میں ایک بے ثبوت
بات کہی۔

شاہ ولی اللہ | حضرت شاہ ولی اللہ حجتہ اللہ البالغہ قسم اول کے اواخر میں التنبیہ علی مسائل کے عنوان سے
ایک فصل کے تحت فرماتے ہیں:

قد صح اجماع الصحابة كلهم اذ لم عن
آخروهم واجماع التابعين اذ لم عن آخرهم واجماع تابعي
التابعين اذ لم عن آخرهم على الامتناع والمنع من ان

صحابہ کا از اول تا آخر اور تابعین کا از اول تا آخر اور
تابع تابعین کا بھی از اول تا آخر اس بات پر کامل اتفاق
ثابت ہے کہ یہ بات ممنوع اور ممتنع ہے کہ ان سب

منہم احداً الى قول الناس متهمون بغير حق من قولهم ان

فياخذہ کلمہ - پہلے لوگوں میں سے کسی انسان کے قول کا قصد کرے اور اسے کلی طور پر قبول کرے۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے ایوانیہ والہوں سے ائمہ مذاہب کے اقوالِ ذیل نقل کیے ہیں:

امام مالک: ما من احد الا وهو ماخوذ من كلامه وصدق عليه الرسول الله صلى الله عليه وسلم

کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کے کلام کا کچھ حصہ قابلِ قبول اور کچھ حصہ قابلِ رد نہ ہو، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

امام شافعی: لا حجة في قول احد دون رسول الله صلى الله عليه وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا کسی شخص کے قول میں کوئی حجت نہیں ہے۔

امام ابن جنبل: ليس احد مع الله ورسوله كلام

کسی کی بات اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ برابر اور ہم پلہ نہیں۔

یہ مختصر بحث اور چند حوالہ جات اس حقیقت کو واضح کر دینے کے لیے کافی ہیں کہ دین میں جب تک حجت و سند کتاب و سنت ہے یا پھر اجماع صحابہ - ایک صحابی یا چند صحابہ کرام کے اقوال و افعال کو کتاب و سنت اور اجماع صحابہ کی طرح حجت قطعیہ اور تنقید سے بالاتر نہیں سمجھا جاسکتا اور ان سے غیر مشروط تمسک نہیں کیا جاسکتا۔ جماعت اسلامی کے دستور میں جو اصولی بات بیان کی گئی ہے اس کے اندر سے نتیجہ بھی اگر کوئی مزید بات نکالی جاسکتی ہے تو وہ بس اتنی ہی ہے اور بجائے خود یہ بات بالکل صحیح و صائب ہے۔ اس سے نہ تنقیص صحابہ لازم آتی ہے، نہ اس سے مسدک سلف کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ دستور جماعت محض عقیدہ و نظریہ کی حد تک ارکان سے یہ چاہتا ہے کہ وہ نبی اور غیر نبی کے مابین امتیاز کریں اور غیر نبی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھیں۔ اس سے زبردستی یہ مطلب نکالنا صریح زیادتی ہے کہ جماعت کے ہر کس و ناکس کے لیے یہ ضروری یا جائز ہو گیا ہے کہ وہ صحابہ کے انفرادی یا مختلف فیہ مسائل میں طبع آزمائی کرے۔ دستور میں اس عبارت کے اندراج اور جماعت کے قیام پر پورے بائیس سال گزر چکے ہیں لیکن کوئی ایک مثال بھی ایسی موجود نہیں ہے کہ کسی رکن جماعت نے اس عبارت

کی صحابہ کرام معیارِ حق ہیں؟

سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کسی صحابی کے قول و فعل کے معاملے میں توہین آمیز طریقے پر لب کشائی کی ہو، یا صحابہ کرام کی جناب میں کوئی دوسری ادنیٰ سی منافی احترام حرکت ہی کی ہو۔ البتہ ہمارے حلقہ متعزین میں ایسی مثالیں پائی گئی ہیں کہ بوزر ثانی جیسے القاب لوگوں کو عطا کیے گئے ہیں اور ایسا لقب دینے اور لینے والوں کو اس میں صحابہ کرام کی توہین و استخفاف کا کوئی پہلو دکھائی نہیں دیا۔

سطور بالا میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے اس سے یہ مدعا سرگز نہیں ہے کہ صحابہ کرام کے آثار و اقوال کسی درجے میں بھی قابل اعتنا نہیں ہیں اور ان سے ہمیں مرے سے کوئی بہنمائی ہی نہیں مل سکتی۔ اوپر جن بزرگوں کے اقوال نقل کیے گئے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو آثارِ صحابہ کو بالکل اٹھا کر پھینک دینے کا قائل ہو۔ اور یہ باعثِ مدنی کے و فروغِ سکسہ کا شہ تر ہے۔ ہمارے اس کا ٹر سچر جس شخص کی نظر میں ہو، وہ خود باسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ اس میں مختلف مسائلِ نیات کے متعلق اسلام کا نظریہ پیش کرنے کے لیے کتاب و سنت کے ساتھ آثارِ صحابہ ہی سے نہیں بلکہ اقوال تابعین و محدثین و ائمہ مجتہدین سے بھی استشہاد کیا گیا ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ سارا ذخیرہ ہمارا سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ اور ورثہ ہے جس سے ہم کبھی بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے بحث جو کچھ ہے وہ فقط اس امر میں ہے کہ آیا صحابی کا ہر قول بجائے خود کتاب و سنت کی طرح واجب الاتباع ہے یا اسے اخذ کرنے سے پہلے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ کتاب و سنت سے کہاں تک مطابقت رکھتا ہے۔